اسلامی فکر میں پر امن بقائے باہمی کی اساس، حدود اور اس کے تقاضے

*ڈاکٹر محمد سجاد

Islam has commanded to strictly observe truthfulness and honesty and to abstain from deception and treachery in dealings among the human beings. It has accomplished humility and submission in human behavior rather than arrogance and conceit. These directions of Islam are common to all human beings without any distinction of Muslim or non Muslim. Serenity and peace of the society could be maintained through rule of justice and moral values which would be a shield against any sort of tyranny and suppression for each and every member of the society regardless of color or creed. Islam has rejected all means of coercion to transmit its ideology and to communicate forcefully its thoughts to others. Only the way of preaching is opened to give arguments for one's own stance, giving complete freedom to all the objects for its acceptance or rejection. The Holy Quran and the Sunnah has described the behavior of love and humbleness to all human beings, which has been discussed in this article.

اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو انسانوں کو دنیا و آخرت کا کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا خطاب سب انسانوں سے اور ان کے سب طبقات سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾ (۱)

(اے محبوب کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

جس دین کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو، جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے، وہ کسی طبقہ سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا، ورنہ اس کا خطاب محدود ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے برعکس جو نظریات طبقات کے درمیان کشمکش پیدا کرتے ہیں وہ ایک کے ذریعے دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ ان میں عمومی اپیل نہیں ہوتی وہ ایک کے لئے پرکشش ہوتے ہیں تو دوسرے کے لئے قابل قبول نہیں ہوتے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام نے اپنے عقیدے اور فکر کو عام کرنے کے لئے جبر و اکراہ کے تمام طریقوں کو رد کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر طریقہ اس کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کے لئے اس نے صرف دعوت و تبلیغ کی راہ کھلی رکھی ہے۔ وہ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے، اس نے صبر و ثبات کے ساتھ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور مخالفت اور مزاحمت کو عزم و حوصلہ اور ہمت سے برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلاً﴾ (۲)

''اے نبی ﷺ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ان کو اچھی طرح چھوڑ دیجئے''۔

اسلام نے بار بار کہا ہے کہ یہ راہ عفو و درگزر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ (۳)

''ان سے درگزر کیجئے اور سلام کہیے، ان کو بہت جلد (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ٥ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ﴾ (۴)

''اے رسول ﷺ ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے، تمارا رب وہی ہے جو پیدا بھی کرتا ہے اور باخبر بھی ہے''

اسلام نے ہدایت کی ہے کہ بات چیت میں، دعوت میں اور اپنے عام طرز عمل میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ جس سے بدترین دشمن کی بھی دشمنی ختم ہو جائے اور وہ دوستوں کی صف میں آجائے (۵)

مولانا سید جلال الدین عمری لکھتے ہیں۔

اسلام نے تعلقات میں صداقت اور راست بازی کی پابندی اور جھوٹ اور مکر و فریب سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ نخوت اور استکبار کی جگہ تواضع اور خاکساری کا مزاج پیدا کیا ہے۔ درشت مزاجی اور شدت کے مقابلے میں نرمی اور رأفت کو پسند کیا ہے، غیظ و غضب پر قابو پانے اور تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ انتقام میں حد سے آگے نہ بڑھنے اور عفو و درگزر سے کام لینے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی ترغیب دی ہے۔ شر اور فتنہ و فساد سے بچنے اور ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ یہ ہدایات بالکل عام ہیں۔ ان کا تعلق خاص

مسلمانوں سے نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے تعلقات میں ان کا احترام کریں۔اس معاملہ میں اسلام نے اپنے اور غیروں میں فرق نہیں کیا ہے۔ایک مسلمان کو ربط و تعلق کسی بھی مذہب وعقیدہ کے ماننے والے سے ہو،توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کا پابند رہے گا جس سماج میں اخلاقیات کی فرماں روائی ہو وہاں فطری طور پر ظلم وزیادتی کے امکانات کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں گے اور اگر کبھی کسی طرف سے کوئی غلط قدم اٹھے تو قانون اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہوگا اور اپنا فرض انجام دے گا۔(٦)

عام نوع انسانی کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں اسلام کے اصولی اندازِ فکر کا قرآن وسنت کے اندر محبت (تَوَدُّوْهُم) حسن سلو (تُحْسِنُ) حلم وشرافت، (التی هی احسن) اور محافظت (ذمة) کے الفاظ میں اصولی اظہار ہوا ہے۔قرآن پاک میں جو ہدایات دی گئیں اس میں غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف پر امن بقائے باہمی کا اصول دیا گیا بلکہ ان کے ساتھ عدل وانصاف کے عالمگیر ابدی اصول کے مطابق اقدامات کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی ہدایات بھی دی گئیں۔مزید برآں قرآن پاک کی مشہور اور عام اصطلاح بر کے اصول کے مطابق ان سے معاملہ کرنے کی ترغیب بھی دی گئی۔اسلامی ریاست کی حدود سے باہر بین الاقوامی سطح پر اسلامی ریاست دوسری ایسی ریاستوں کا وجود کھلے دل سے تسلیم کرتی ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی پیروکار ہوں جن کا نظام قانون اور دستور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا تصور پر مبنی ہو اور ان ساتھ اسلامی ریاست کا تعلق ایک پر امن اور مسلسل بقائے باہمی کا ہو۔

اس نقطۂ نظر سے قرآن پاک پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ قرآن پاک نے ایک عمومی اور اصولی ہدایت مسلمانوں کو دی ہے اور وہ ہدایت یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جن قوموں سے تعلقات قائم کیے جائیں وہ شہری ریاستیں ہوں، قبائل ہوں، یا آج کل کے دور کی بڑی بڑی ریاستیں ہوں، ان سب کے درمیان تعلقات کو اس اصول کی بنا پر قائم کیا جائے گا جو سورہ ممتحنہ میں بیان کیا گیا ہے۔اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ دوستانہ بین الاقوامی اور بین المملکی تعلقات کے نقطہ نظر سے غیر مسلموں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مخالفین اور غیر مخالفین۔یہاں مخالفین سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو اللہ تعالی کے راستے پر چلنے سے روکا ہو، انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھر بار سے نکالا ہو، مسلمانوں پر جنگیں مسلط کی ہوں، ان کے جان و مال کو تباہ و برباد کیا ہو، ان کی عزتیں لوٹی ہوں، ظاہر ہے کہ ایسے کھلے دشمنان انسانیت سے دوستی اور پر امن بقائے باہمی کی بات کرنا عبث اور بیکار ہے۔

دوسرا گروہ غیر مخالفین کا ہے۔ غیر مخالفین سے مراد غیر مسلموں کا وہ گروہ ہے جنہوں نے مسلمانوں کو گھروں سے نہیں نکالا نہ مسلمانوں کو پریشان کیا نہ ان کے دین کے سلسلے میں رخنہ ڈالا اور نہ مسلمانوں سے اس انداز کی دشمنیاں کیں، یہ دوسرا گروہ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی واضح ہدایات یہ ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾(۷)

جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تمہیں پریشان نہیں کیا اور تم سے مقاتلہ و مقابلہ نہیں کیا، تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ تم کو اس سے نہیں روکتا کہ تم ان سے بر کا معاملہ رکھو، یعنی نیکی کرو اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کرو۔

اس کائنات میں مسلمانوں کے تعلقات دو قسم کے انسانوں سے استوار ہیں:

۱۔ ایک وہ جو وحی کی راہنمائی اور ہدایت کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ ہیں جو اس راہنمائی کو تسلیم نہیں کرتے اور وحی کے بجائے، اپنی یا دوسرے انسانوں کی عقل اور مشاہدہ سے زندگی کے معاملات چلاتے ہیں۔

غیر مسلموں کو مختلف زمروں (Categaries) میں تقسیم کیا گیا جو دار الحرب کے کسی علاقے میں آباد یا کسی علاقے میں فرمانروائی کے منصب پر فائز تھے۔ قرآن پاک نے سارے غیر مسلموں کو ایک ہی زمرے میں شامل قرار نہیں دیا، بلکہ قرآن مجید میں مختلف غیر مسلموں کے مختلف احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے سارے غیر مسلم ایک زمرہ میں نہیں آتے۔ مثلاً قرآن پاک نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے زیادہ قریب قرار دیا اور مشرکین کو سب سے زیادہ بعید قرار دیا۔ پھر عرب کے مشرکین کو عام مشرکین کے مقابلہ میں اسلام نے زیادہ دور قرار دیا اور ان کے بارے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔

قرآن پاک کے اس اسلوب کے مطابق بنیادی طور پر غیر مسلموں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔ پہلی قسم ان غیر مسلموں کی تھی جو اصلاً آسمانی مذاہب کی پیروی کے مدعی تھے۔ یہ اہل کتاب تھے جو اس اعتبار سے مسلمانوں کے قریب اور مسلمانوں کے مشابہ تھے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ان بنیادی تصورات اور عقائد کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کرتے تھے جن پر اسلام کی اساس ہے۔ مثلاً وہ توحید، نبوت، آخرت کو مانتے تھے۔ وہ ان انبیاء کرام میں سے بیشتر کو مانتے تھے جن کو قرآن نے بطور نبی تسلیم کیا ہے اور جن کے نام قرآن میں آئے ہیں۔

اس لئے غیر مسلموں کی اقسام میں سب سے پہلے انہیں رکھا گیا۔ اہل کتاب کے بعد دوسرا درجہ ان غیر مسلموں کا رکھا گیا ہے جن کو فقہاء کرام نے شبہ اہل کتاب قرار دیا ہے، یعنی وہ غیر مسلم جو بعض اعتبارات سے اہل کتاب کے مشابہ تھے۔ ایسے غیر مسلموں سے مسلمانوں کا واسطہ رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد مبارک میں پڑ چکا تھا۔

اس کے بعد عام کفار کی حیثیت ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا مشرک ہوں، لیکن کسی نہ کسی مذہب کے قائل ہوں اور کسی نہ کسی رنگ میں خدائے بزرگ و برتر کے ماننے والے ہوں۔ اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو سرے سے کسی خدا کے وجود کے ہی قائل نہیں یا تو بالکل دہریہ ہیں یا فطرت پرست ہیں اور مذہب کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔ سب سے آخری درجہ مشرکین عرب کا ہے، یعنی حضور ﷺ کی وہ قوم جن کو آپ نے براہ راست تئیس سال اپنی زبان اقدس سے دین کی دعوت دی اور انہوں نے اس کو مسترد کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت نے نہایت سخت رویہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت روا نہیں رکھی۔ ان کے بارے میں تین رویوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ ان تین متبادل رویوں سے ایک رویہ اپنے لئے اختیار کر لیں: یا تو وہ اسلام قبول کر لیں، یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں یا پھر جزیرہ عرب کو چھوڑ کر عرب سے چلے جائیں۔ یہ سختی اس لئے روا رکھی گئی کہ جزیرہ عرب کو اسلام کا مرکز حسی اور روحانیت اسلام کا محور بنانا مطلوب تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ طے کر دیا گیا تھا کہ اب جزیرہ عرب صرف اور صرف دین اسلام کا مرکز ہو گا اور وہاں دوسرے غیر اسلامی اور لادینی نظریات و مذاہب کو باقی رہنے کی اجازت نہ ہو گی۔ یہ احکام جو مشرکین عرب کے ساتھ خاص تھے۔

اس نظری اور دینیاتی اور ایک حد تک جغرافیائی تقسیم کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی ایک تقسیم اور ہے۔ یہ دوسری تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ بالفعل ان کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ ان کے مذہب اور پالیسی میں اور ان کے فکر میں مسلمانوں کے بارے میں کیا طرز عمل پایا جاتا ہے۔ اس کے لئے پھر کئی ذیلی تقسیمیں ہیں:۔

ا۔ معاہدین:

سب سے پہلے وہ لوگ ہیں جن کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدات اور طے شدہ شرائط کے تحت تعلقات کی نوعیت واضح طور پر طے ہو گئی ہے۔ جس میں دونوں فریقوں کے حقوق اور ذمہ داریاں طے کر لی گئی ہیں اور اقلیت ہونے کی حیثیت سے غیر مسلموں کے اور اکثریت ہونے کے لحاظ سے مسلمانوں کے

حقوق و فرائض کا واضح طور پر تعین کر لیا گیا ہے۔ اور معاہدہ کے ذریعہ فریقین کی ذمہ داریاں طے کر لی گئیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو فقہاء نے معاہدین کے نام سے یاد کیا ہے، یعنی جن کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے اور اس معاہدہ میں فریقین کے فرائض اور ذمہ داریاں (حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے) طے کر لی گئی ہیں۔

۲۔ اہل ذمہ:

دوسرا درجہ ان اہل ذمہ کا ہے جو کسی مفتوحہ علاقہ کے غیر مسلم باشندے ہوں، وہ علاقہ دنیائے اسلام نے فتح کر لیا ہو اور وہاں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا پسند کیا ہو اور وہ اس فتح کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کے شہری بن گئے ہوں اور اپنی حفاظت کا بدلہ جزیہ دیتے ہوں۔

۳۔ مُوَادِعین:

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن سے کوئی جنگ ہو رہی ہو اور جنگ کے کسی واضح نتیجہ پر پہنچنے سے قبل اس کے اختتام سے پہلے ہی ان سے کوئی مستقل یا عارضی مصالحت ہوگئی ہو اور فریقین کے درمیان جنگ بندی ہوگئی ہو۔ صلح کی شرائط پر ان سے معاملات طے کئے گئے ہوں۔ ان کے لئے عموماً اہل صلح یا موادعین کی اصطلاح استعمال کی جاتی رہی ہے۔

ان سب قسموں کے الگ الگ احکام ہیں۔ ان میں سے بعض کے احکام قرآن پاک میں دیئے گئے ہیں، مثلاً قرآن پاک میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، یا مثلاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض احکام احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے۔ مثلاً یہ کہ مجوسیوں کو اہل کتاب قرار دیا گیا۔

تعلقات باہمی کی اساس:

اسلام، مسلمانوں کو باہم اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، ان کے باہم اخلاقی اور قانونی حقوق مقرر کرتا ہے، ان کے درمیان تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرتا ہے، اور انھیں ایک نظام حیات دے کر ایک امت بناتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام نے اس امت کو ایک اعلیٰ نصب العین دیا ہے، وہ یہ کہ وہ دنیا میں خدائے واحد کے دین کے علم بردار بن کر اُٹھے، انسانوں کو ان کی دنیا اور آخرت کی فلاح و ہدایت کا پیغام دے، دنیا میں خیر کو عام کرے،

بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾(۸)

''تم بہترین امت ہو، تم لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات اور بقائے باہمی کی اساس و بنیاد درج ذیل اصول ہیں

ا۔ شرف انسانیت وعظمت آدمیت:

عظمت آدمیت اور تکریم انسانیت اسلام کی تعلیمات کی اہم جزء ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ (۹)

''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی''

اسلام بلاتفریق رنگ ونسل، علاقہ وزبان، مذہب وملت تمام انسانوں کو شرف انسانیت کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ اور بحیثیت انسان اس کی قدر ومنزلت اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾(۱۰)

''کسی شخص نے ایک نفس کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا''

اس طرح انسانیت کی عظمت ووقار کی بحالی اور توقیر کو یوں بیان فرمایا کہ:

﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾(۱۱)

''جس کسی نے ایک انسان کو زندہ کیا گویا اُس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا''

اسلام دیگر مذاہب اور اقوام کے ساتھ باہمی تعلقات کی اساس میں انسانی قدروں اور شرف انسانیت کو ایک بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔

۲۔ عدل:

مسلمانوں کو تمام معاملات میں دیانت داری اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ معاملہ اپنے دشمنوں کا ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌم بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۱۲)

(اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے)

عدل وانصاف کا تصور اسلام کا ایک اساسی اصول ہے۔ لہذا اسلام عدل و دیانتداری کے تعلق سے غیر مسلموں سے بقائے باہمی میں جاری رکھنا چاہتا ہے۔ چاہیے اس کے تعلق افراد، کسی گروہوں یا ریاستوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ امن، امداد باہمی اور تعاون:

امن وسلامتی اور باہمی تعاون و ہمدردی بھی ایک اہم اساسی اصول ہے جو باہمی تعلقات کے استحکام اور پائیداری میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (۱۳)

''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے''

''بر'' قرآن پاک کی ایک جامع اور معروف اصطلاح ہے جس میں معاشرتی بھلائیوں کا ایک ایسا جامع نقشہ دیا گیا ہے، جس میں رفاعی معاشرہ کے سارے پہلو شامل ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ایک جگہ اس بر کے بہت سے پہلو ذکر کیے گئے ہیں۔

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ﴾ (۱۴)

اس آیت سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی سطح پر انسانوں کی فلاح و بہبود کے تمام اقدامات بر میں شامل ہیں۔ انسانوں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے سارے اعمال اور انسانوں کی عمومی خدمت انجام دینا یہ سب باتیں سورہ بقرہ کی اس آیت کی روشنی بر کی مختلف صورتیں ہیں۔

اللہ تعالی کے رسول علیہ السلام نے تعاون علی البراور باہمی امداد اور خدمت انسانیت کے ان تصورات کو اپنے کئی ارشادات میں ذکر کیا ہے۔

۴۔عہد کی پاسداری و تکمیل:

باہمی تعلق میں ایک اوراہم اساسی اصول عہد کی پاسداری اور تکمیل ہے۔اسلام مسلمانوں پر یہ اخلاقی فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی سطح پر بھی اپنے تمام شخصی ،قولی،اور بین الاقوامی معاہدوں (عہود) کی پاسداری کریں،قرآن کی متعدد آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنے عہد و اقرار کی پاسداری کی تلقین کی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً ﴾ (۱۵)

''اورعہد کی پاسداری کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾(۱٦)

''اے ایمان والو عہد کو پورا کرو''

اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾(۱۷)

''وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں''

اسلام نے عہد شکنی کو جرم عظیم قرار دیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لکل غادر لواء یوم القیامۃ ...یریٰ یوم القیامۃ یعرف بہ))(۱۸)

اسلامی ریاست میں تمام افراد کو مذہبی اور گروہی تعصبات سے آزاد جمہوری خطوط پر حقوق وفرائض کے مابین دوطرفہ تعلق کی بنیاد پر شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔عوام کے جملہ گروہوں کی فلاح و بہبود اوران کے مختلف نظام ہائے قانون کا پاس ولحاظ اوران کے تعلق سے فرض شناسی ،افراد اور گروہوں کے حقوق وفرائض

کی مخلصانہ بجا آوری کی واحد ضمانت ہے۔ مذہب اور نظریات کی آزادی، جس کے ساتھ عمل اور اظہار کے پر امن اور شائستہ وسائل موجود ہوں، صحت مند پائیدار، وسعت پذیر اور ترقی کی طرف قدم بڑھانے والے معاشروں کے ناگزیر حیثیت رکھتی ہے۔

۵۔عدم اکراہ اور حریت فکر:

دین اسلام، امن وسلامتی کا دین ہے اس میں جبر وتشدد نہیں۔ یہ اپنی بات افہام وتفہیم، دلیل برہان، وعظ ونصیحت اور بحث وگفتگو کے ذریعہ دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ (۱۹)

''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا﴾ (۲۰)

''بے شک ہم نے انسان کو راستہ دکھایا اب وہ چاہے شکر گزار بنے یا (ناشکرا) اور کافر''

سورہ کہف میں ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُم فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُر﴾ (۲۱)

''اور اے رسول کہہ دیجیے، حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا بلکہ اختیار اور آزادی سے نوازا ہے۔ اپنے رسولوں کے ذریعے حق وباطل کو واضح کیا اور انسان کو پوری آزادی دی ہے کہ ان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے، اسلامی ریاست کسی ذمی یا مستامن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے مجبوری کی حالت میں اسلام کا اظہار کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

عدم اکراہ کے ساتھ ساتھ دین اسلام دیگر مذاہب کے مکمل احترام کی تعلیمات دیتا ہے۔ اسلام نے شرک کی مذمت کی ہے۔ اس بنیاد پر مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (۲۲)

''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم انہیں برا بھلا نہ ہو۔''

دوسری طرف تعلیم دی گئی کہ احسن طریق سے ان سے برتاؤ کیا جائے، تہذیب شائستگی اور حسن خلق

سے ان کے دل جیتنے کی کوشش کی جائے۔

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ (۲۳)

''نیکی اور بدی یکساں نہیں، تم بدل دو اس طریقہ سے جو احسن ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ جگری دوست ہے۔

قرآن حکیم نے یہ تعلیم دی ہے کہ جتنے انبیاء ورسل تشریف لائے، اور جو ان پر کتابیں نازل ہوئیں ان سب میں توحید کی تعلیم دی گئی اور شرک کی تردید کی گئی ہے۔اس بنیاد پر اہل کتاب سے کہا گیا کہ توحید تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک کلمہ ہے، آؤ ہم سب مل کر اس پر عمل کریں اور اس کے تقاضے پورے کریں۔ارشاد ہوتا ہے۔

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (۲۴)

اے رسول ﷺ کہہ دیجیے: اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم بندگی نہیں کریں گے مگر صرف اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔

۶۔غیر جانبداری

غیر جانبداری کی اسلامی اصطلاح کے لئے جدید عربی میں حیادۃ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، جبکہ قبل از اسلام اور صدر اسلام میں اس کے لئے اعتزال کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، جس کے معنی الگ ہو جانے کے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا .... سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ (۲۵)

یعنی اگر لڑنے والے الگ ہو جائیں (اعتزال کے معنی ہیں دو متحارب فریقوں کے بارے میں کسی تیسرے فریق کا الگ ہونا) اگر وہ تمہارے دشمنوں کے درمیان ہونے والی کشمکش سے الگ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہارے ساتھ مسالمہ (باہم امن وسلامتی) کے تعلقات رکھیں تو پھر اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ فما جعل الله لكم عليهم سبيل یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے خلاف جنگ کرنے کا اختیار نہیں

دیا۔اس سلسلے کی دوسری آیت سورہ نساء میں ہے کہ اگر وہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے باہمی محاربہ سے الگ نہ ہوں اور تمہارے ساتھ سلامتی کے تعلقات قائم کرنے کی پیشکش نہ کریں اور لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچیں تو پھر ان سے جنگ کرو اور جیسے اور جہاں موقعہ ملے ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ان لوگوں کے خلاف لڑنے کے لئے تم کھلی اجازت (سلطانا مبینا) حاصل ہے۔

سلطان مبین کے معنی مترجمین قرآن نے کھلی سند، صریح اجازت، ساف گرفت، صاف حجت وغیرہ کے کئے ہیں جس سے یہی پتا چلتا ہے کہ اس صورت میں ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی کھلی اور مکمل اجازت ہے۔

اس پورے سلسلہ بیان میں اعتزال کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ دو متحارب فریقین کے درمیان غیر جانبداری کے مفہوم میں آیا ہے۔اس کی بنیاد پر یہ اصول بن گیا کہ اگر کوئی ریاست مسلمانوں کے بارے میں غیر جانبدار رہنا چاہتی ہو، یعنی مسلمانوں کے اور غیر مسلموں کے محاربے میں الگ رہنا چاہتی ہو وہ ان تین شرائط کے ساتھ رہ سکتی ہے کہ:

(۱) وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرے۔

(۲) مسلمانوں کے دشمنوں سے الگ رہے۔

(۳) اور مسلمانوں کے ساتھ پر امن تعلقات رکھے۔

(۴) ایک چوتھی شرط جو خود بخود (Understood) ہے جس کے بارے میں دوسری نصوص میں واضح ہدایات ہیں وہ یہ کہ اس انتظام سے اسلام اور کلمۂ اللہ کی سر بلندی پر زد نہ پڑے اور اسلام اور مسلمانوں کے وقار پر حرف نہ آئے۔اگر یہ شرائط پوری ہوں تو پھر ان چیزوں کی پابندی ملحوظ رہے گی۔یہ وہ دو بنیادی آیات ہیں جن سے فقہائے کرام نے غیر جانبداری کے اصول کی بابت استدلال کیا ہے۔ان آیات کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دور کے متعدد واقعات اور آپ کے کئے ہوئے کئی معاہدے ایسے ہیں جن سے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کی مزید تفصیلات ملتی ہیں اور جن کو انہی احکام و نظائر کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فقہائے کرام نے بین الاقوامی قوانین اور تعلقات کے باب میں غیر جانبداری کے دیگر احکام مرتب کئے ہیں۔

سیرت طیبہ سے بھی ایسی کئی مثالیں اور نظائر ملتے ہیں، جن کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل سے امن و صلح کے معاہدے اس لحاظ سے کئے کہ دونوں فریقین کسی گروہ کے خلاف غیر جانبدار

رہیں گے۔

۲ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بنی ضمرہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ بنی ضمرہ کے سردار سے کیا جانے والا یہ معاہدہ دوستی اور غیر جانبداری کا نہایت واضح معاہدہ ہے۔ معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَا یَغْزوا بنی ضمرة ولا یغزونه ولا یکثروا علیه جمعا ولا یعینوا علیه عدوا.(۲۶)

آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ نہ کریں گے اور نہ یہ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے۔ اور آپ ﷺ کے خلاف گروپ بندی میں کسی کے شریک نہیں ہوں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔

اس معاہدے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست اپنے پر امن اور صلح جو غیر مسلم پڑوسیوں سے غیر جانبداری کا معاہدہ کر سکتی ہے۔

بنی ضمرہ قبیلہ کی ایک شاخ نے بھی آپ سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا۔ یہ مکہ میں حدود حرم کے پاس رہتے تھے۔ انھوں نے بھی ایک وفد بھیج کر رسول اللہ ﷺ سے یہ پیشکش کی کہ قریش کے ساتھ مصالحانہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ مسلمانوں کے دوست رہنا چاہتے ہیں اور قریش سے جنگ کی ایک چیز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی ہر طرح مسلمانوں کے حلیف بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن کی اس پیشکش کو قبول کیا۔(۲۷)

بنی ضمرہ کی ایک اور شاخ سے معاہدہ حلیفی کیا گیا، اس کی ایک شق یہ ہے:

وان النبی اذادعاهم لینصروه اجابوه و علیهم نصره ان من حارب فی الدین،(۲۸)

یعنی ان کے لئے نبی ﷺ کی مدد عند الطلب ضروری ہے البتہ وہ اگر دینی جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہئیں تو انھیں اجازت ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کو بھی دستور مدینہ میں یہ حق دیا گیا ہے کہ **الامن حارب فی الدین** ۔(۲۹)

رحمت عالمین کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اقدامات:

داخلہ و خارجہ تعلقات اور بقائے باہمی کے ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل اقدار کی پاسداری فرمائی اور ان کی تعلیم بھی دی:

۱۔ جارحانہ روش (عدوان) سے اجتناب

۲۔ جور و استبداد (طغیان) سے احتراز

۳۔ بگاڑ اور کرپشن (فساد) سے بیزاری

۴۔ حد سے تجاوز (اسراف) سے گریز۔

یہ اقدار حقیقی معنوں میں اعتدال، میانہ روی اور ضبط نفس کو فروغ دیتی ہیں۔ یہ اقدار ارباب اختیار کے لئے کسی خاص روش عمل کی حدود کو ملحوظ رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں اور اصل مقاصد اور ان کی تحصیل کے وسائل کے درمیان حقیقی تعلق کو سمجھنے میں کوتاہ نظری سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ بنیادی اقدار جن کے عملی نمونے آپ ﷺ نے پیش فرمائے۔

آقا دو جہاں سرور کائنات، محسن انسانیت کی بعثت بطور رحمت عالم ہوئی۔ آپ کا مرتبہ رحمت، مسلمان وغیر مسلم، سب پر یکساں ہے، غیر مسلموں سے حسن سلوک، صلح رحمی، ہمدردی وتعاون اور خدمت خلق کے حوالے سے اگر سیرت طیبہ کا مطالبہ کیا جائے تو اس کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔ یہاں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ آپؐ نے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی کا سلوک کیا، اور صحابہ کرام کو بھی اور پوری امت کو بھی اس کی تعلیم دی، آپؐ اپنے چچا جناب ابو طالب کا بہت احترام کرتے تھے، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ: ''میری ماں جو مشرکہ تھیں مجھ سے ملنے آئیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، (۳۰)

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا کہ وہ بطور تحفہ پنیر اور مکھن لاتی تھیں لیکن حضرت اسماء نے انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپؐ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کریں اور اپنے گھر میں آنے دیں۔

۲۔ جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ (۳۱)

آپؐ غیر مسلموں کو بھی دعا دیتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپؐ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین وجمیل رکھے، چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے، (۳۲)

آپ کا یہ بھی معمول رہا کہ آپ بہ نفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ (۳۳)

اسی لیے کہا گیا ہے:

ولا بأس بعيادة اليهودى والنصرانى لانه نوع برٍ فى حقهم وما نهينا عن ذلك (۳۴)

یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں سے تحائف قبول کرتے اور ان کو تحفے دیتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم سلاطین اور سربراہان مملکت نے تحفے پیش کیے اور آپ نے قبول فرمائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: **ان کسریٰ اھدی له فقبل وان الملوک اھدوا اليه فقبل منهم** (۳۵)

غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا، حضرت ابوحمید ساعدی اس کے واقعات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ آیلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر پہنائی، (اس نے آپؐ سے مصالحت کی اور جزیہ ادا کیا) آپؐ نے اس کے علاقہ پر اس کا قبضہ باقی رکھا۔ (۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کیا رادے سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخلہ ہونے سے روک دیا، اس پر آپؐ کے اور ان کے درمیان صلح ہوئی، اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ صلح کی بعض دفعات یہ تھی:

فریقین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تاکہ دونوں طرف کے لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا۔ اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ آپؐ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے۔ صرف تین دن مکے میں قیام کرسکیں گے۔ وہ غیر مسلحہ ہوں گے تلواریں نیام میں ہوں گی، کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔

مکہ کے کسی فرد کو آپؐ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکیں گے البتہ آپؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں رہ

جانا چاہیے تو آپؐ اسے نہیں روکے گے۔(۳۷)

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اس کے شروع میں لکھتے ہیں۔

وادع رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا عام الحديبية وامسک عن محاربتهم فللامام ان يوادع اهل الشرک اذا کان ذلک صلاح الدين والاسلام وکان يرجو ان يتالفهم بذلک على الاسلام (۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے جنگ سے دست کش ہو گئے۔ لہذا امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہل شرک سے مصالحت کرے، اگر اس میں دین اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ اس کے ذریعہ انہیں اسلام سے مانوس اور قریب کر سکے گا۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا، اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا، یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں اس کے بعد اجزاء یہ ہیں۔

یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہیں۔ یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا۔ یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے۔ جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کے درمیان تعاون ہوگا۔ ان کے درمیان خیر خواہی کا تعلق ہوگا نیکی اور حسن سلوک بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔ کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ جو مظلوم ہوگا اس کی حمایت کی جائے گی۔(۳۹)

الغرض پرامن بقائے باہمی اور مشترکہ اصولوں پر اتفاق کرنے کی دعوت قرآن حکیم نے دی، اس نے اہل کتاب کو ایک مشترک کلمہ پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم عصر قریبی کتابی حکمرانوں اور اقوام سے پرامن بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی، مدینہ کے یہودیوں سے تحریری معاہدے ہوئے۔ فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوا، لیکن یہودیوں نے ایک ایک کر کے معاہدوں کو توڑا۔ آپؐ نے نجران، حبشہ اور حدود شام کے متعدد عیسائی حکمرانوں اور امراء سے مفاہمت کی اور معاہدے کیے ان سب میں حبشہ سے ہونے والا مفاہمتی معاہدہ صدیوں سے قائم رہا گویا بین الاقوامی سطح پر پرامن بقائے باہمی اور دوستانہ روابطہ کا حبشہ ماڈل کامیاب ترین ماڈل تھا جو ایک ہزار برس سے بھی زیادہ قائم رہا۔(۴۰)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الاعراف ۷:۱۵۸ ۲۔ المزمل ۷۳:۱۰

۳۔ الزخرف ۴۳:۸۹ ۴۔ الحجر: ۱۵۔۸۵،۸۶

۵۔ فصلت ۴۱:۳۴۔۳۵

۶۔ عمری، سید جلال الدین، غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق ،ص:۱۸

۷۔ الممتحنۃ ۶۰:۷ ۸۔ آل عمران ۳:۱۱۰

۹۔ الاسراء ۱۷:۷۰ ۱۰۔ المائدہ ۵:۳۲

۱۱۔ المائدہ ۵:۳۲ ۱۲۔ المائدہ ۵:۸

۱۳۔ المائدہ ۵:۲ ۱۴۔ البقرہ ۲:۱۷۷

۱۵۔ الاسراء ۱۷:۳۴ ۱۶۔ المائدہ ۵:۱

۱۷۔ المومنون ۲۳:۸

۱۸۔ البخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الحرب، باب اثم الغادر للبر والفاجر

۱۹۔ البقرۃ ۲:۲۵۶ ۲۰۔ الدہر ۷۶:۳

۲۱۔ سورۃ الکہف ۱۸:۲۹ ۲۲۔ الانعام ۶:۱۰۸

۲۳۔ فصلت ۴۱:۳۵ ۲۴۔ آل عمران ۳:۶۴

۲۵۔ النساء ۴:۹۰،۹۱

۲۶۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسۃ، وثیقہ نمبر ۱۶۰،ص ۲۶۷

۲۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۲۸۵

۲۸۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعۃ الوثائق السیاسۃ، وثیقہ نمبر ۱۶۰،ص ۲۶۷

۲۹۔ میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۴۵

۳۰۔ البخاری، کتاب الھبہ، باب الھدیۃ للمشرکین

۳۱۔ ابن ہشام، سیرت النبی ۲/۲۵۶

۳۲۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۳۹۲

۳۳۔ البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات

۳۴۔ ہدایہ ۴/۲/۴۷

۳۵۔ ترمذی، ابواب السیر عن رسول اللہ، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین
۳۶۔ البخاری کتاب الزکاۃ، باب خرص الثمر
۳۷۔ البخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الحدیبیہ، مسلم کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ
۳۸۔ امام ابویوسف، کتاب الخراج، باب فی قتال اھل الشرک واھل البغی۔۔۔
۳۹۔ ابن ہشام، سیرت النبیؐ ۲/۱۱۹
۴۰۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ص:۳۶۶